قرطاس ابیض کے الزامات کا جواب

مسلمانان ہندوستان کا قومی تحفظ اور جماعت احمدیہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ رفروری ۱۹۸۵ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ
يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸
يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۱۰

(الصّف:۸-۱۰)

پھر فرمایا:

حکومت پاکستان کی طرف سے شائع کردہ مزعومہ قرطاس ابیض کی بات ہورہی ہے۔اس میں ایک یہ الزام بھی بار بار دہرایا گیا ہے کہ **نعوذ باللہ من ذالک** جماعت احمدیہ اسلام کی بھی دشمن ہے،قوم اور وطن کی بھی دشمن ہے اور اس کی غداری سے قوم،وطن اور ملت کو بڑا شدید خطرہ ہے۔یہ صرف اسلام ہی کے لئے ایک Threat اور خطرہ کا باعث نہیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ اور مسلمان ممالک کے لئے بھی خطرہ کا موجب ہے اور دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ چونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی

ممالک میں پنپ نہیں سکتے اس لئے لازماً ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمام اسلامی ممالک تباہ و برباد ہو کر غیر اسلامی طاقتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں۔

جہاں تک اس الزام کے تاریخی جائزہ کا تعلق ہے یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے۔اس کی تفصیل میں جانا اس مختصر سے وقت میں ممکن نہیں صرف اس بات کا تجزیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام یا مسلمانوں کو جب بھی کوئی خطرہ پیش آیا تو اس وقت صف اوّل میں جہاد کرنے والے جماعت احمدیہ کے افراد تھے یا جماعت پر الزام لگانے والے لوگ؟ اس سلسلہ میں تاریخ کے مختلف اوراق میں سے بعض چیدہ چیدہ اہم واقعات پیش کرتا ہوں۔

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ مسلمان ممالک میں احمدی پنپ نہیں سکتے اس لئے وہ ان ممالک کو مٹانا چاہتے ہیں تو یہ ایک عجیب دلیل ہے جو سراسر غلط مفروضوں پر قائم کی گئی ہے اور اس میں شدید تضاد پایا جاتا ہے مثلاً یہ کہ مسلم ممالک میں جماعت ترقی نہیں کر سکی۔ اس لئے جماعت انتقاماً ان ممالک کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ اس مفروضہ کو اگر درست تسلیم کیا جائے تو اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چونکہ پاکستان میں جماعت نے ترقی کی ہے اس لئے اسے جماعت سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔ مگر پھر تمہاری قدغنوں کا کیا جواز ہے جو تم پاکستان میں جماعت پر عاید کر رہے ہو۔ چنانچہ نام نہاد شرعی عدالت میں بھی مختلف وکلاء یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ جماعت تبلیغ کے ذریعہ پھیلتی چلی جارہی ہے، اسے ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھی اور اُس سے پہلی تحریکات میں بھی جس بات پر سب سے زیادہ واویلا کیا گیا تھا وہ یہی تھی کہ احمدی روکے سے رکتے نہیں، پھیلتے چلے جارہے ہیں۔ پس جماعت احمدیہ کو کسی ملک سے خطرہ کیسے پیدا ہو گیا کہ وہ اس سے پھیل نہیں سکیں گے اور اس میں پنپ نہیں سکیں گے یا پھر تم یہ فیصلہ کرو کہ پاکستان اسلامی ملک نہیں ہے اس لئے جماعت احمدیہ اس میں پھیل رہی ہے۔ اگر یہ اسلامی ملک نہیں ہے تو تم کہاں سے پیدا ہو گئے پھر اسلام کے محافظ اور دعویدار! تمہارا تعلق ہی کوئی نہیں، غیر اسلامی ملک ہے اس میں جو ہوتا ہے ہوتا رہے، تمہیں اس سے غرض ہی کوئی نہیں اور اگر اسلامی ملک ہے اور چونکہ اسلام کے نام پر یہ ملک قائم ہوا ہے اس لحاظ سے یقیناً اسلامی ملک ہے تو ساری دنیا میں سے جس ملک میں کثرت کے ساتھ اور ملک کے ہر طبقہ میں جماعت احمدیہ پھیلی ہے۔ اس ملک یعنی پاکستان سے جماعت کو یہ خدشہ کیسے

ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں پنپ نہیں سکے گی۔ پس تمہارے اس مفروضہ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ جماعت احمدیہ مسلم ممالک میں پنپ نہیں سکتی اس لئے ان ممالک کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔

اب میں تاریخی واقعات کو لیتا ہوں دنیا کو بڑے ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنا چاہئے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو تاریخ کے صفحات پر ایک دفعہ ایسی قلم سے لکھے جا چکے ہیں جنہیں اب مٹایا نہیں جاسکتا۔ زمانہ کا قلم جب واقعات لکھتا ہوا گذر جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت واپس جا کر اس قلم کے لکھے ہوئے کو مٹا نہیں سکتی۔ اب یہ لوگ ساری دنیا میں جتنا چاہیں واویلا کرلیں، نئے سے نئی تاریخ بنانے کی جتنی چاہیں کوششیں کرلیں لیکن جو واقعات منصۂ شہود پر ایک دفعہ ابھر آئے ہیں اب کوئی ہاتھ نہیں جو ان کو مٹا سکے۔ چونکہ یہ داستان بہت لمبی ہے اور اختصار کی کوشش کے باوجود بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ مضمون بہت زیادہ لمبا ہو جائے گا اس لئے ہوسکتا ہے کہ آئندہ خطبہ میں بھی اسی مضمون کو جاری رکھا جائے اور پھر شاید تیسرے خطبہ میں بھی یہ تسلسل قائم رہے۔ اس لئے اگر کچھ خطبہ اس وجہ سے لمبے بھی ہو جائیں تو امید رکھتا ہوں کہ دوست صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں گے کیونکہ اب جماعت کی بقا اور اس کے مفاد کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم بڑی تفصیل کے ساتھ معترضین کو موثر جواب دیں اور اس رنگ میں جواب دیں کہ ان کے عامۃ الناس بھی سمجھ سکیں اور ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے۔

میں احباب کو **تحریک خلافت** (Khilafat Movement) کی طرف لے کر جاتا ہوں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد نہ صرف سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں بلکہ بعض بڑی اہم جغرافیائی تبدیلیاں بھی ہوئیں ان میں سے ایک اہم تبدیلی ترکی میں آئی جس نے جنگ اول میں جرمنوں کے ساتھ مل کر اتحادیوں کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس جنگ میں جرمن ہار گئے، اتحادیوں کو فتح ہوئی تو ترکی کے سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہاں ایک زبردست انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجہ میں کمال اتاترک برسر اقتدار آگئے اس طرح ترکی میں ایک سلطنت جو خلافت کے نام پر جاری تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تو ہندوستان میں مسلمانوں نے خلافت کے احیاء کی تحریک چلا دی جو دراصل انگریزوں کے خلاف تھی کہ انہوں نے ایک مسلمان خلافت کا خاتمہ کیا ہے اس لئے مسلمانوں کو خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ مگر اس جہاد کی آواز عرب

کے کسی ملک سے نہیں اٹھی۔ ہندوستان سے ایک وفد ترکی بھجوایا گیا جو مسلمان علماء اور بعض سیاسی شخصیتوں پر مشتمل تھا وفد نے کمال اتاترک سے ملاقات کی اور انہیں خلافت کی پیش کش کی اور کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کمال اتاترک نے بڑے تعجب سے باتیں سنیں اور اس پیش کش کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا کہ تم کیا باتیں لے کر میرے پاس آئے ہو میں نے بڑی مصیبت سے ترکی کو ان بوسیدہ خیالات سے باہر نکالا ہے اور اس کی بے وجہ پھیلی ہوئی سرحدات کو سمیٹ کر ملک کو داخلی اور خارجی طور پر محفوظ کیا ہے تو اب کس زعم میں اور کیا خیال لے کر میرے پاس آئے ہو۔ چنانچہ کمال اتاترک نے اس پیشکش کو کلیۃً رد کر دیا۔ لیکن ہندوستان میں اس وقت ایک ایسا جوش تھا اور علماء جن کو کل کی بھی خبر نہیں، جن کو اپنے ماحول کا کچھ علم نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ کل کی خبر تو کیا ان کو آج کی خبر نہیں، ان کے ماضی کی خبر نہیں، زمانہ کے لکھے ہوئے سبق کو پڑھ نہیں سکتے ایسے علماء بڑے جوش وخروش سے مسلمانوں میں اپنی طرف سے ایک عظیم تحریک چلا رہے تھے جبکہ اس تحریک کی باگ ڈور ہندو کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت ایک آواز تھی جو قادیان کی آواز تھی۔ وہ آواز بڑی شدت اور زور سے اٹھی اور مسلمانوں کو بار بار نصیحت کی کہ تمہیں اس تحریک سے اتنا شدید نقصان پہنچے گا کہ پھر تم مدتوں سنبھل نہیں سکو گے۔ یہ ایک بے معنی تحریک ہے، عقل کے خلاف ہے اس لئے تم اس سے باز آ جاؤ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کلمہ حق کے کہنے کی وجہ سے احمدیوں پر اس قدر شدید مظالم توڑے گئے کہ احمدیوں کے خلاف بھی ایک پوری تحریک چل گئی اور بڑے دردناک واقعات رونما ہوئے۔ جگہ جگہ احمدیوں کے بائیکاٹ کئے گئے، شدید گرمی کے دنوں میں پانی بند کئے گئے، رات کو باہر سوتے تھے تو پتھراؤ ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں پنکھوں وغیرہ کا تو زیادہ رواج بھی نہیں تھا۔ لوگ بھی نسبتاً غریب تھے چنانچہ شدید گرمیوں میں کمروں کے اندر بچوں سمیت بند ہو کر سونا پڑتا تھا یا سونے کی کوشش کرنی پڑتی تھی کیونکہ یہ لوگ احمدیوں کے خلاف تحریک چلا رہے تھے کہتے تھے تم نے تحریک خلافت اور ترک موالات کی مخالفت کیوں کی ہے؟ ہم اسلام کی خدمت کر رہے ہیں تم کچھ اور باتیں کر رہے ہو۔ اس لئے تمہاری سزا یہی ہے کہ تمہارے ساتھ بھی انگریزوں کی طرح سلوک کیا جائے اور تمہیں بھی مارا پیٹا جائے۔ لیکن اس وقت قادیان سے اٹھنے والی ایک تنہا آواز تھی جس نے بار بار مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ تم خطرناک غلطی کر رہے ہو۔

یہ ترک موالات تھی کیا؟ یہ ایک ایسی تحریک تھی جس میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ترک

موالات پر ابھارا گیا تھا۔ یہ تحریک دراصل مہاتما گاندھی کے دماغ کی ایک ایجاد تھی۔ کانگریس نے جن ملاؤں کو نوازا ہوا تھا، ان کے ذریعہ یہ تحریک چلائی گئی اور پھر یہ اتنی شدت پکڑ گئی کہ تمام بڑے بڑے علماء اور تمام مسلمان سیاسی رہنما اس کی لپیٹ میں آگئے اور پھر کانگرسی اور غیر کانگرسی کا فرق نہ رہا۔ اس تحریک کے بارہ میں مسٹر گاندھی نے خود جا کر مسلمان علماء سے فتوے لئے کہ دیکھو انگریز نے کتنا ظلم کیا ہے، خلافت مٹا دی ہے تو اے مسلمان علماء تمہارا کیا فتویٰ ہے کہ اگر مقابلہ ممکن نہ ہو تو جہاد کیسے کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ہندو لیڈر مسلمانوں کی بھلائی کے لئے فتوے لے رہے ہیں۔ چنانچہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں سے فتویٰ پوچھا تو چوٹی کے پانچ سو مسلمان علماء نے گاندھی کو یہ فتویٰ دیا کہ اب تو مسلمانوں کے لئے ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انگریزوں کے ساتھ رہن سہن کلیۃً ترک کر دیا جائے اور اپنا وطن چھوڑ کر مسلمان کسی اسلامی ملک میں ہجرت کر جائیں اور پھر وہاں سے حملہ کر کے بڑی شان کے ساتھ واپس آئیں اور انگریزوں کو مار مار کر ہندوستان سے نکال دیں۔

غرض یہ وہ فتویٰ تھا جس کو بنیاد بنا کر ترک موالات کی تحریک چلائی گئی۔ چنانچہ اس تحریک کی کامیابی کے لئے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سے تک مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ اس حالت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالمجید سالک اپنی کتاب ''سرگزشت'' میں لکھتے ہیں، یہ ان کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اسی رات کانگرس کے پنڈال میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا۔

اس وقت بھولتا ہوں کہ صدر گاندھی جی تھے یا مولانا محمد علی۔ بہرحال تمام اکابر اس میں شریک ہوئے۔ اسٹیج پر گاندھی جی، تِلک مسز اینی بسنٹ، جیکر، کیلکر، محمد علی، شوکت علی، ظفر علی خان، سید حسین، مولانا عبدالباری، مولانا فاخرالہ آبادی، مولانا حسرت موہانی اور بہت سے دیگر رہنما موجود تھے۔ مولانا محمد علی نے پہلے انگریزی میں تقریر کی اور کہا کہ میں کچھ دیر تک انگریزی تقریر کروں گا تا کہ جو اکابر ملک اردو نہیں سمجھے وہ خلافت کے متعلق مسلمانوں کے موقف کو سمجھ لیں اس کے بعد اردو میں تقریر کروں گا۔ مولانا کی تقریر بے نظیر تھی۔ نہ صرف زبان اور اندازِ بیان کے اعتبار سے بلکہ مطالب کے لحاظ سے بھی پورے مسئلے پر حاوی تھی اور

جذبات انگیزی کی کیفیت اس فقرہ سے معلوم ہوتی ہے کہ ہمیں اب ملک سے ہجرت کر جانے کے سوا اور کوئی شرعی چارہ باقی نہیں ہے‘‘۔

(باردوم صفحہ:۱۱۱)

یہ وہ شرعی فتویٰ تھا جو مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کی خاطر لیا تھا۔ مولانا عبدالمجید سالک صاحب کہتے ہیں کہ مولانا محمد علی نے دوران تقریر کہا:

’’اب اس ملک سے ہجرت کر جانے کے سوا اور کوئی شرعی چارہ باقی نہیں ہے اس لئے ہم اس ملک کو چھوڑ جائیں گے اور اپنے مکانات اور اپنی مساجد (مساجد کا یہ لفظ خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ناقل)، اپنے بزرگوں کے مزارات سب بطور امانت اپنے ہندو بھائیوں کو سونپ جائیں گے۔ تا آنکہ ہم پھر فاتحانہ اس ملک میں داخل ہو کر انگریزوں کو نکال دیں اور اپنی امانت اپنے بھائیوں سے واپس لے لیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہندو بھائی جن کے ساتھ ہم ایک ہزار سال سے زندگی بسر کر رہے ہیں ہماری اتنی خدمت سے پہلو تہی نہ کریں گے‘‘۔ (باردوم صفحہ:۱۱۱)

یہ ’’ہندو بھائی‘‘ بھی بڑا دلچسپ محاورہ ہے۔ یہ پہلے بھی استعمال ہوتا رہا ہے، آج کل بھی پاکستان میں استعمال ہو رہا ہے۔ احمدی بھائی نہیں مگر ہندو اور عیسائی بھائی ہے۔ آخر کیوں نہ ہو ہزار سال سے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک صاحب لکھتے ہیں:

’’ان کے بعد بریلی کے ایک بنسی دھر پاٹھک کھڑے ہوئے، ان کی تقریر بہت پر جوش اور بے حد دلچسپ تھی۔ اُنہوں نے مولانا محمد علی کے ’’نہلے پر دہلا‘‘ یوں مارا کہ اگر مسلمان بھائی اپنی شریعت کے احکام کے تحت اس ملک سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہیں تو ہندو بھی یہاں رہ کر کیا کریں گے (کتنا دردناک فقرہ ہے) اگر مسلمان چلے (جائیں) تو ہندو جاتی بھی ہجرت میں مسلمانوں کا ساتھ دے گی اور ہم اس ملک کو ایک بھائیں بھائیں کرتا ہوا ویرانہ بنا دیں گے تا کہ انگریز اس ویرانے سے خود ہی دہشت کھا کر بھاگ جائیں‘‘

(سرگزشت باردوم صفحہ:۱۱۱۔۱۱۲)

مولانا سالک صاحب لکھتے ہیں:

''کس قدر عقل سے دُور باتیں ہیں۔لیکن جذبات کی دنیا نرالی ہے۔
اس وقت جلسہ کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ چیخیں مار مار کر رو رہے تھے اور خلافت
کانفرنس مجلس عزا بن گئی تھی'' (سرگزشت صفحہ:۱۰۸)

گاندھی جی ان دنوں صرف ہندوؤں کے ہی نہیں مسلمانوں کے بھی مہاتما بن چکے تھے اور شہدائے اسلام کے معاملات غور وخوض کے لئے ان کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالمجید سالک صاحب اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''گاندھی جی جلسہ شروع ہونے سے پہلے دفتر زمیندار میں تشریف
لائے وہ بعض خلافتی رہنماؤں سے گفتگو میں مصروف تھے اور میں چل کوٹ
گورمے اور حبیب اللہ خان مہاجر شہید کے متعلق کاغذات لئے گاندھی جی کے
سر پر کھڑا تھا۔ بڑی مشکل سے جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے سارا معاملہ
انہیں سمجھایا''۔ (سرگزشت صفحہ:۱۲۸)

یعنی مسلمان شہیدوں کے متعلق کاغذات گاندھی جی کے دربار میں پیش ہو رہے ہیں! مولانا سالک لکھتے ہیں:

''اتنے میں ہزار ہا حاضرین جلسہ بھی تکلیف انتظار سے مضطرب ہوکر
دفتر زمیندار کے سامنے سڑک پر جمع ہو گئے''۔ (سرگزشت صفحہ:۱۲۸)

زمیندار اخبار کا دفتر اس وقت احرار کا مرکز اور جماعت احمدیہ کی مخالفت کا گڑھ تھا۔ مولانا سالک لکھتے ہیں کہ لوگ دفتر زمیندار کے سامنے سڑک پر آ گئے۔

''اور فلک شگاف نعرے لگانے لگے مہاتما گاندھی جی کی جے،
ہندوستان کی جے! ہندو مسلمان کی جے! بندے ماترم ! اللہ اکبر! ست سری
اکال!'' (سرگزشت صفحہ:۱۲۴)

ان لوگوں کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے آج احمدیوں کی مساجد اور درو دیوار پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا دیکھ کر درد سے ان کی چیخیں نکلتی ہیں اور غیرت سے ان کی جان پھٹ رہی ہے۔اس لئے کہ یہ لوگ ہمیشہ سے ہی مختلف مزاج رکھتے ہیں۔احمدی اپنے امام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی جے کا

نعرہ لگائیں تو یہ لوگ ہمیں ہزار ہا طعنے دینے لگتے ہیں اور ہماری مساجد اور درودیوار پر لکھا ہوا اور ہمارے سینوں پر سجا ہوا کلمہ طیبہ ان کو برا لگتا ہے۔اس میں خدا کی توحید کا جو اعلان ہوتا ہے۔اس میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت کا جو اعلان ہوتا ہے۔بہرحال گاندھی جی مہاراج کی مسلمانوں کے جلسہ میں آنے پر مسلمانوں کی پذیرائی کے بارہ میں ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں:

> ''آخر گاندھی جی اٹھے اور جلسہ میں شامل ہونے کے لئے چلے۔رضا کاروں نے ہجوم میں سے راستہ نکالا۔گاندھی جی جلسہ گاہ میں پہنچے تو جوش وخروش کی انتہا نہ تھی۔ پہلے دوسرے لیڈروں نے تقریریں کیں اس کے بعد گاندھی جی نے مجمع کو خطاب کیا اور مولانا ظفر علی خان کی گرفتاری پر احتجاج کرتے ہوئے وہ فقرہ کہا جو یار لوگوں کی محفلوں میں مدت تک سرمایہ قہقہہ بنا رہا۔(یہ فقرہ میں چھوڑ دیتا ہوں) چند ہفتوں کے بعد گاندھی جی پھر تشریف لائے اس مرتبہ ان کے ساتھ رہنماؤں کی پوری جماعت تھی......سکھ مولانا ابوالکلام کے ہاتھوں کو بوسے دیتے تھے۔ہندو مولانا کی چرنوں کی دھول آنکھوں سے لگاتے تھے اور مسلمان گاندھی جی کی پذیرائی یوں کرتے تھے گویا کسی خدارسیدہ ولی نے لاہور کو اپنے قدوم سے مشرف فرمایا ہے''۔
>
> (سرگزشت صفحہ:۱۲۹)

ان باتوں نے مسلمانوں کے دل میں جو جذبات پیدا کر دیئے تھے وہ بہت شدید تھے اسی لئے اس جاہلانہ تحریک کے خلاف احتجاج کرنے کی سزا میں جماعت احمدیہ کو سارے ہندوستان میں شدید سزائیں مل رہی تھیں۔تاہم مسلمانوں کے جذبات کا جو عالم تھا اس کا نقشہ مولانا سالک صاحب نے ان الفاظ میں کھینچا:

> ''عامۃ المسلمین میں یہ جذبہ عام ہو رہا تھا کہ اب ہندوستان سے ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہیں اس لئے آزاد علاقے اور افغانستان میں چلے جاؤ اور وہاں رہ کر اس جنگ کی تیاری کرو جو تمہیں انگریزوں پر فتح دلا دے اور

ہندوستان کو آزاد کرادے۔ امیر امان اللہ خان نے ایک تقریر میں کہہ دیا کہ ہندوستان سے جو بھائی ہجرت کر کے آئیں گے افغانستان حتی الوسع ان سے برادرانہ سلوک کرے گا'' (سرگزشت صفحہ:۱۱۵)

ہاں وہ کونسی آواز تھی جو اس تحریک کے خلاف اٹھی اور جس نے مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی اور بڑی وضاحت کے ساتھ بار بار صورت حال کا تجزیہ کر کے بتایا کہ عدم تعاون اور ترک موالات کی تحریک ہر پہلو سے غلط ہے اور پھر مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ شریعت اسلامیہ کا نام اس میں استعمال نہ کرو۔ اس طرح یہ اسلام سے بھی گستاخی ہے اور رسول اِسلام سے بھی شدید گستاخی ہے۔ اگر سیاسی غلطی نہ بھی سہی تب بھی اس گستاخی کے نتیجہ میں تم ضرور سزا پاؤ گے۔ اس لئے تم ہمارے خلاف جو چاہو مخالفت کے حربے استعمال کر لو میں تمہیں لازماً بتا کر اور سچ بات کہہ کر چھوڑوں گا کیونکہ مجھے مسلمانوں سے سچی ہمدردی ہے۔ کیونکہ عدم تعاون اور ترک موالات کی تحریک میں بار بار شریعت کا لفظ استعمال ہو رہا تھا اور مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ یہ شرعی فتویٰ ہے اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) نے اس موقع پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''مسٹر گاندھی کے قول کو قرآن کریم کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ شریعت اس کا نام کہاں رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو لوگوں سے یہ کہو کہ چونکہ مسٹر گاندھی اس طرح فرماتے ہیں اس لئے اسی طرح تم کو عمل کرنا چاہئے۔ یہ کیوں کہتے ہو کہ شریعت اِسلام کا فتویٰ ہے''۔

پھر فرمایا:

''اگر ترک موالات کے حامی اسے شریعت کا فرض مقرر کرتے ہیں تو پھر اس طرح عمل کریں جس طرح کہ شریعت نے کہا اور اگر اسے گاندھی کا ارشاد قرار دیتے ہیں تو عوام کو قرآن کے نام سے دھوکا نہ دیں اور اسلام کا تمسخر نہ اُڑائیں''۔ (ترک موالات اور احکام اسلام صفحہ:۵۸۔۵۹)

پھر فرمایا:

''کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ تم ایک صحیح راستے کو ترک کر کے کہاں کہاں

دھکے کھاتے پھرتے ہو۔اوّل تو تمام علماء اور فضلاء کو چھوڑ کر ایک غیر مسلم کو تم نے لیڈر بنایا ہے۔کیا اسلام اب اس حد تک گر گیا ہے کہ اس کے ماننے والوں میں سے ایک روح بھی اس قابلیت کی نہیں ہے کہ اس طوفان کے وقت میں اس کشتی کو بھنور سے نکالے اور کامیابی کے کنارے تک پہنچائے۔کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی اس قدر غیرت بھی نہیں رہی کہ وہ ایسے خطرناک وقت میں کوئی ایسا شخص پیدا کر دے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا شاگرد اور آپؐ کے خدام سے ہو اور جو اس وقت مسلمانوں کو اس راستے پر چلائے جو اُن کو کامیابی کی منزل تک پہنچائے۔آہ! تمہاری گستاخیاں کیا رنگ لائیں۔پہلے تو تم محمد رسول اللہ ﷺ کو مسیح ناصری کا ممنون منت بنایا کرتے تھے اب مسٹر گاندھی کا مرہون احسان بناتے ہو؟''۔

پھر فرمایا:

''حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تو خیر ایک نبی تھے اب جس شخص کو تم نے اپنا مذہبی رہنما بنایا ہے وہ تو ایک مومن بھی نہیں ہے۔پس محمد رسول اللہ ﷺ کی اس ہتک کا نتیجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت دیکھو گے اور اگر باز نہ آئے تو اس جرم میں مسٹر گاندھی کی قوم کی غلامی اس سے زیادہ تم کو کرنی پڑے گی۔جتنی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی امت کی غلامی تم کہتے ہو کہ ہمیں کرنی پڑی ہے''

(ایضاً صفحہ: ۸۷-۸۶)

یہ ہے **نعوذ باللہ من ذالک** اسلام اور وطن کے غدار جماعت کی لیڈر شپ کا کردار۔ یہ ہے ان کے رہنما کا کردار۔اس کے برعکس وہ لوگ جو اسلام اور وطن کے ہمدرد بنے بیٹھے تھے ان کا کردار کیا تھا وہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔لیکن زیادہ دیر تک مسلمانوں کا یہ خواب جاری نہ رہ سکا۔ ہجرت ہوئی ہزارہا سادہ لوح مسلمان اپنی ساری عمر کی پونجیاں لٹا کر ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔وہ اپنی جائیدادیں اپنے ہاتھوں سے اپنے ہندو بھائیوں کے سپرد کر گئے،مسجدیں ویران کر گئے،تجارتوں کو ٹھوکریں ماریں اور حکومت کے مختلف محکموں میں ملازموں نے استعفے دے دیئے۔ایسا دردناک منظر دکھائی دیتا ہے کہ وہ جو کہتے تھے کہ ہم تمہارے بغیر یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ان کا اس وقت

فوری ردعمل یہ ظاہر ہوا کہ ایک مسلمان ملازمت سے استعفیٰ دیتا تھا تو اس اسامی کو پر کرنے کے لئے دس ہندوؤں کی درخواستیں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ کسی ایک ہندو نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ اس کے برعکس وہ شخص جوان کو راہ راست دکھا رہا تھا اور مسلمانوں سے سچی ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا اس کو اور اس کے ماننے والوں کو مسلمانوں کی طرف سے شدید سزائیں دی جارہی تھیں۔

یہ ان علماء کی تحریک اور ان کی رہنمائی کا نتیجہ تھا جو آج بھی پاکستان پر انہی بدنیتوں کے ساتھ قابض ہوئے ہوئے ہیں۔ لیکن ہوش آیا تو بہت دیر کے بعد آیا۔ چنانچہ اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد جو عدم تعاون اور ترک موالات کی تحریک میں پیش پیش تھے کانگرسی علماء میں ان کا ایک بہت بڑا مقام ہے اور احراری مولویوں کا ان کے ساتھ بڑا گہرا رابطہ تھا، یہی مولانا صاحب لکھتے ہیں:

> ''کارفرما دماغوں کے لئے نازک گھڑیاں روز نہیں آتیں لیکن جب آتی ہیں تو انہی میں اصلی آزمائش ہوتی ہے۔ ایسی ہی ایک گھڑی تھی جب پہلے پہل انقلاب خلافت کی خبریں ہمارے دماغوں سے ٹکرائیں۔ یہی اس بات کی آزمائش کا وقت تھا کہ کہاں تک ہم میں دماغی قوت فعال پیدا ہوئی ہے؟ کہاں تک ہم نے ایسے معاملات کو سوچنا سمجھنا اور ان کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونا سیکھا ہے؟ کہاں تک ہم میں یہ طاقت پیدا ہوئی ہے کہ دوستوں کی غلطی اور دشمنوں کی شماتت میں پھنس کر راہ عمل گم نہ کریں؟ ضرورت تھی کہ ہم میں جو لوگ صاحب فکر و عمل تھے کامل حزم و احتیاط سے کام لیتے، دل اور زبان دونوں کی لگامیں کھینچی رہتی'' (تبرکات آزاد مرتبہ غلام رسول مہر صفحہ: ۲۳۸)

لیکن پھر آگے جا کر بڑی حسرت سے کہتے ہیں:

> ''لیکن جلد بازی اور بے لگامی سے خطرناک اور لاعلاج ٹھوکریں لگ سکتی ہیں۔ فرانسیسی ضرب المثل ہے ''جو گولی چل چکی وہ آدھے راستے سے واپس نہیں آئے گی اگرچہ واپسی کے لئے تم کتنے ہی بلاوے بھیجو''۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گولی چل گئی اور آزمائش کے نتیجہ پر ہمارے لئے کوئی مبارک باد نہیں'' (ایضاً)

ایک کتاب ہے ”مسلمانان ہند کی حیات سیاسی“ اس میں محمد مرزا دہلوی صاحب اس تحریک کی ناکامی پر کف افسوس ملتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ ہندوؤں کا پروگرام تھا“

(کل جب تمہیں جماعت احمدیہ یہ کہہ رہی تھی کہ ہندوؤں کا پروگرام ہے اس وقت تو تم جماعت کے امام کو نعوذ باللہ من ذالک غدار اعظم کہہ رہے تھے۔ اس وقت تو تم یہ بات سُننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس وقت تو کلمہ حق کہنے کے نتیجہ میں مظلوم احمدیوں کو سزائیں دی جارہی تھیں لیکن جب وہ طوفان گزر گیا تو پھر خود ہی یہ لکھنے لگے کہ یہ تو ہندوؤں کا پروگرام تھا)

”ہندو ہی اس کے رہنما تھے۔ مسلمانوں کی حیثیت اس ایجی ٹیشن میں ان کے آلہ کار سے زیادہ نہیں تھی۔ اس وقت تک اُن سے کام لیا جب تک انہیں ضرورت رہی اور اس وقت ایجی ٹیشن بند کر دیا جب ان کی ضرورت ختم ہوگئی“۔

مولانا عبدالمجید سالک اپنی کتاب ”سرگزشت“ میں اس تحریک کے انجام کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”جذبات انسانی کی کیفیت عجیب ہے، یہ مخلص اور جوشیلے مسلمان کس جوش وخروش سے ایک دینی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن کو ترک کر رہے تھے اور پھر چند ماہ بعد جب امیر امان اللہ خاں کی حکومت نے اس لشکر جرار کی آبادکاری سے عاجز آکر اس کو جواب دے دیا تو ان مہاجرین کی عظیم اکثریت بادل بریاں و بادیدہ گریاں واپس آگئی اور اس تحریک کا جو محض ہنگامی جذبات پر مبنی تھی نہایت شرمناک انجام ہوا“۔ (سرگزشت صفحہ:۱۱۳)

پس مسلمانوں کی یہ عجیب حالت ہے کہ کانگرسی ملّاؤں سے بار بار زک اٹھاتے ہیں پھر بھی دوست و دشمن کی تمیز اور فرق کرنے کی اہلیت نہیں پاتے۔ جماعت احمدیہ کے خلاف انہی ملّاؤں کی طرف سے بار بار جھوٹ بولا جاتا ہے اور ہر اہم موقع پر جماعت کی خدمت، بروقت اور پر حکمت رہنمائی اور جماعت کی دوستی کے ہاتھ سے یہ ملا لوگ مسلمان عوام کو ہمیشہ محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ تحریک خلافت کا بھی وہی انجام ہوا جس کے متعلق جماعت احمدیہ نے ان کو متنبہ کر دیا تھا۔ وہ قافلے جوان علماء کو دلائی ہوئی جھوٹی آرزوؤں کے قافلے تھے وہ اس حال میں ہندوستان سے روانہ

ہوئے کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عمر بھر کی کمائیاں لٹا دیں ج، ائیدادیں اونے پونے بیچ دیں یا ہندوؤں کے پاس ایسی امانتوں کے طور پر رکھوا دیں جو کبھی واپس نہ ہوئیں اور جو زادراہ لے کر وہ چلے تھے اس کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب وہ واپس ہوئے تو ان پر جگہ جگہ قبائل کی طرف سے چھاپے مارے گئے اور جو کچھ بھی بچا کھچا سرمایہ ان کے پاس تھا وہ بھی لوٹ لیا گیا۔ شدید بیماریاں پھیل گئیں۔ کچھ لوگ فاقوں سے مر گئے، کچھ اپنی متاع کی حفاظت میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔ چنانچہ انتہائی دردناک حالت میں مسلمانوں کے قافلے واپس پہنچے۔ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو بڑے تنعم کی زندگی بسر کرنے والے تھے وہ پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں ملبوس ایسے حال میں واپس پہنچے کہ ان کا کچھ بھی ذریعہ معاش باقی نہ رہا۔

یہ تھے مسلمانوں کے ہمدرد علماء جن کا یہ مشورہ تھا اور یہ تھا ان کے مشورے کا نتیجہ ادھر **نعوذ باللہ من ذالک** اسلام اور وطن کے غدار جماعت احمدیہ کے فرزندان کی پرخلوص نصیحت اور ہمدردانہ مشورہ تھا جس کو نظر انداز کر کے مسلمان شرمناک انجام سے ہمکنار ہوئے۔ اب بھی جھوٹ اور فریب کاری کی وہی آواز ہے جو پاکستان میں اُٹھ رہی ہے جو کل عدم تعاون اور ترک موالات کی تحریک کی صورت میں اٹھی تھی اور نہایت شرمناک انجام پر منتج ہوئی تھی۔

اب میں **تحریک شدھی** سے متعلق بتاتا ہوں کہ جب ہندوستان میں تحریک شدھی کے نتیجہ میں اسلام کو شدید خطرہ لاحق ہوا تو اس وقت جماعت احمدیہ کا کردار کیا تھا اور احراری ملاؤں کا کردار کیا تھا جو اس وقت بدقسمتی سے پاکستان پر مسلط کر دئے گئے ہیں۔ تحریک شدھی نے بتا دیا کہ کون اسلام کا سچا ہمدرد تھا اور کون جھوٹا تھا، کون سچی ماں کی طرح اسلام سے پیار کرتا ہے اور کون پھپھے کٹنی کی طرح باتیں بنا رہا تھا۔ شدھی کی تحریک کیا تھا؟ یہ وہ تحریک تھی جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے ایک ایسے علاقے میں جو آگرہ کے ماحول میں ہے اور ملکانوں کا علاقہ کہلاتا ہے وہاں ۱۹۲۳ء میں اور اس سے کچھ پہلے اور کچھ بعد ہندوؤں نے یہ تحریک چلائی کہ یہاں کے جتنے مسلمان ہیں وہ سارے چونکہ پہلے ہندو تھے اس لئے ان کو اپنے مذہب میں واپس لے کر آنا ہے۔ یہ تحریک اندر ہی اندر بڑی دیر تک چلتی رہی اور ایک عرصہ تک مسلمانوں کو اس کا علم ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ پہلی بار جب اس کے متعلق بعض خبریں اخباروں میں چھپیں اور بعض غریب مسلمانوں کی طرف سے دیوبند اور دارالندوہ لکھنؤ کو بھی مدد

کے لئے پکارا گیا تو اس وقت ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہندوؤں کی اس کوشش کو ناکام بنانا چاہئے اور مسلمانوں کو اسلام پر قائم رکھنے کے لئے ایک جہاد شروع کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس وقت قادیان میں اس کا جو ردعمل ہوا وہ عظیم الشان تھا۔ قادیان میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک ایسی مضبوط اور زبردست تحریک چلی کہ اس نے شدھی کی تحریک کا رخ پلٹ دیا اور ہندوؤں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس سلسلہ میں باقی تمام تحریکات جو ہر طرف سے اٹھیں خصوصاً احرار کی تحریک جو شدھی کے نام پر اٹھی تھی اس کا کیا حشر ہوا اور احراریوں نے اس تحریک میں کیا کارنامے سرانجام دیئے، ان کا ذکر میں غیر احمدی مسلمان اور ہندو اخباروں کے حوالوں کی روشنی میں کرنا چاہتا ہوں۔

قبل اس کے کہ میں جماعت احمدیہ اور اس کے مخالفین کے کردار کا ذکر کروں میں پہلے ہندو ارادوں کو خود ان کے الفاظ میں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چنانچہ ہندوؤں کے ایک مشہور اخبار ’’تیج‘‘ دہلی نے یہ اعلان کیا اور بڑے عزم کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ:

’’بلا شدھی کے ہندو مسلم ایکتا نہیں ہو سکتی‘‘

یعنی وہ لکھتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کا کیا مطلب؟ ایک ہی صورت ہے کہ سارے مسلمان ہندو ہو جائیں اس سے بہتر ایکتا کی کوئی صورت نہیں۔

> ’’جس وقت سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو ہو جائیں گے تو سب ہندو ہی ہندو نظر آئیں گے۔ (یہ ایک جلسے کی رپورٹ ہے اور لکھا ہوا ہے خوب تالیاں بجیں) پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو آزادی سے نہیں روک سکتی۔ اگر شدھی کے لئے ہم کو بڑی سے بڑی مصیبت اٹھانی پڑے تو بھی اس اندولن کو آگے بڑھانا چاہئے‘‘۔ (روزنامہ تیج دہلی ۲۰ رمارچ ۱۹۲۶ء)

پھر اخبار ’’پرتاپ‘‘ یہ خبر دیتا ہے:

> ’’نواح آگرہ میں راجپوتوں کو تیز رفتاری سے شدھ کیا جا رہا ہے اور اب تک چالیس ہزار تین سو راجپوت، ملکانے، گوجر اور جاٹ ہندو ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگ ہندوستان کے ہر حصہ میں ملتے ہیں۔ یہ پچاس ساٹھ لاکھ سے

کم نہیں۔ اگر ہندو سماج ان کو اپنے اندر جذب کرنے کا کام جاری رکھے تو مجھے تعجب نہ ہوگا کہ ان کی تعداد ایک کروڑ تک ثابت ہو جائے‘‘۔

یہ تھا وہ خوفناک حملہ جو اسلام پر کیا گیا تھا۔ اُس وقت رگ حمیّت کس کی پھڑ کی تھی، وہ کون تھا جو اپنا سب کچھ راہ محمدؐ میں قربان کرتا ہوا میدان جہاد میں کود گیا تھا۔ یہ احرار اور ان کے لگے بندھے لوگ تھے یا جماعت احمدیہ تھی۔ آیئے تاریخ کے آئینہ میں دیکھیں کہ برصغیر میں مسلمانوں کی تاریخ کے اس نازک مرحلہ پر اسلام کی نمائندگی کا حق کس نے ادا کیا۔ اس وقت جبکہ ہندوؤں نے ایک علاقے میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کا بازار گرم کر رکھا تھا قادیان سے اس کے خلاف آواز بلند ہوئی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) نے ۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو یہ اعلان فرمایا:

’’اس وقت ہمیں فوری طور پر ڈیڑھ سو آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس علاقے میں کام کریں۔ اس ڈیڑھ سو میں سے ہر ایک کو فی الحال تین مہینے کے لئے زندگی وقف کرنی ہوگی۔ ہم ان کو ایک پیسہ بھی خرچ کے لئے نہ دیں گے۔ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ ان کو خود برداشت کرنا ہوگا۔ جو لوگ ملازمتوں پر ہیں وہ اپنی رخصتوں کا انتظام خود کریں اور جو ملازم نہیں اپنے کاروبار کرتے ہیں، وہاں سے فراغت حاصل کریں اور ہمیں درخواست میں بتائیں کہ وہ چار سہ ماہیوں میں کس سہ ماہی میں کام کرنے کے لئے تیار ہیں‘‘۔

یعنی کم سے کم ایک سال کا پروگرام فوری طور پر شروع کیا گیا تو پہلی سہ ماہی کے لئے ڈیڑھ سو آدمی چاہئے تھے۔ پھر اگلی سہ ماہی کے لئے اور ڈیڑھ سو چاہئے تھے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

’’اس سکیم کے ماتحت کام کرنے والوں میں سے ہر ایک کو اپنا کام آپ کرنا ہوگا۔ اگر کھانا آپ پکانا پڑے تو پکائیں گے اور اگر جنگل میں سونا پڑے تو سوئیں گے۔ جو اس محنت اور مشقت کی برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں وہ آئیں ان کو اپنی عزت اپنے خیالات قربان کرنے پڑیں گے‘‘۔

(الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۲۳ء)

جماعت احمدیہ نے اپنے امام کی آواز پر جو والہانہ لبیک کہا وہ ایسا حیرت انگیز ہے کہ قربانی کرنے والی مذہبی جماعتوں اور قوموں میں ہمیشہ کے لئے ایک یادگار رہے گا اور جماعت احمدیہ کی تاریخ کا وہ ایک ایسا باب ہے جسے سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ چنانچہ بوڑھے کیا اور جوان کیا، مرد کیا اور عورتیں کیا، بچے کیا اور جوان کیا، امیر کیا اور غریب کیا، ہر ایک نے ایسی شاندار قربانی اس راہ میں پیش کی ہے کہ ان واقعات کے متعلق سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ تاہم وقت کی طوالت کے خوف سے میں صرف ایک آدھ نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

''ایک احمدی خاتون نے لکھا کہ ''حضور میں صرف قرآن مجید جانتی ہوں اور تھوڑا سا اردو۔ میں نے اپنے بیٹے سے سُنا ہے کہ مسلمان مرتد ہورہے ہیں اور حضور نے وہاں جانے کا حکم دے دیا ہے۔ مجھے بھی اگر حکم ہو تو فوراً تیار ہو جاؤں، بالکل دیر نہ کروں گی۔ خدا کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ ہر تکلیف اٹھانے کو تیار ہوں۔''

چھوٹی چھوٹی بچیوں نے اور کچھ نہیں تھا تو اپنی چنیاں اتار کر پیش کر دیں۔ غریب عورتوں نے جن کا ایک بکری پر گزارہ تھا وہ بکری پیش کر دی۔ وہ بوڑھی عورتیں جو جماعت احمدیہ کے وظیفوں پر پلتی تھیں اور اُن وظیفوں سے بچا کر دو روپے رکھے ہوئے تھے (اس زمانہ میں دو روپے بڑی چیز ہوا کرتے تھے) لمبے عرصہ میں دو روپے بچائے ہوئے وہ آئیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) کے سامنے پیش کرتے ہوئے ان دو روپوں کے متعلق یہ کہا:

''کہ دیکھیں یہ سر کا جو دوپٹہ ہے، یہ بھی جماعت کا ہے، یہ میرے کپڑے بھی جماعت کے وظیفے سے بنے ہوئے ہیں، میری جوتی بھی جماعت کی دی ہوئی ہے کچھ بھی میرا نہیں میں کیا پیش کرتی۔ حضور! صرف دو روپے میں جو جماعت کے وظیفے سے ہی میں نے اپنے لئے اپنی کسی ضرورت کے لئے جمع کئے ہوئے تھے یہ میں پیش کرتی ہوں کہ کسی طرح اس شدھی کی ظالمانہ تحریک کا رخ پلٹ جائے۔'' (کارزار شدھی صفحہ:۴۶)

یہ تھا جماعت احمدیہ کی قربانی کا وہ جذبہ جس کا جماعت نے مظاہرہ کیا۔ شدھی کی تحریک

کے خلاف اُٹھنے والی آواز کے جواب میں جماعت ہر چیز قربان کرنے پر تیار ہوگئی۔ چنانچہ ایک بنگالی دوست نے حضور کی خدمت میں خط لکھا ان کا نام قاری نعیم الدین صاحب تھا۔ انہوں نے ایک بوڑھے باپ کی حیثیت سے حضور کی خدمت میں عرض کیا:

> ’’گو میرے بیٹے مولوی ظل الرحمٰن صاحب اور مطیع الرحمٰن صاحب متعلم بی اے کلاس نے مجھ سے کہا نہیں مگر میں نے اندازہ کیا ہے کہ حضور نے جو کل راجپوتانے میں جا کر تبلیغ کرنے کے لئے زندگی وقف کرنے کی تحریک کی ہے اور جن حالات میں وہاں رہنے کی شرائط پیش کی ہیں شاید ان کے دل میں ہو کہ اگر وہ حضور کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کریں گے تو مجھے جوان کا بوڑھا باپ ہوں تکلیف ہوگی لیکن میں حضور کے سامنے خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ مجھے ان کے جانے اور تکلیف اٹھانے میں ذرا بھی غم یا رنج نہیں۔ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر یہ دونوں خدا کی راہ میں کام کرتے کرتے مارے بھی جائیں تو اس پر ایک بھی آنسو نہیں گراؤں گا بلکہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا۔ پھر یہی دونوں نہیں میرا تیسرا بیٹا محبوب الرحمٰن بھی ہے اگر خدمت اسلام کرتا ہوا مارا جائے اور اگر میرے دس بیٹے ہوں اور وہ بھی مارے جائیں تو بھی میں کوئی غم نہیں کروں گا۔ شاید یہ خیال ہو کہ بیٹوں کی تکلیف پر خوش ہونا کوئی بات نہیں بعض لوگوں کو ایسی بیماری ہوتی ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کی موت پر ہنستے رہتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اگر میں بھی خدا کی راہ میں مارا جاؤں تو میرے لئے عین خوشی کا باعث ہوگا‘‘۔ (الفضل ۱۵ر مارچ ۱۹۲۳ء)

یہ تھے ’’غدار‘‘ اسلام کے اور وطن کے؟ جو کل بھی اسی طرح کے ’’غدار‘‘ تھے اور آج بھی اسی طرح کے ’’غدار‘‘ ہیں ان کی سرشت نہیں بدلی۔ نہ تمہاری تلواروں سے ان کی سرشت بدل سکتی ہے، نہ تمہارے نیزوں سے بدل سکتی ہے، نہ ان تیز دھار زبانوں سے بدل سکتی ہے جو دن رات احمدیت کے دل پر چر کے لگا رہی ہیں۔ جس قسم کی ’’غداریاں‘‘ ہم کل کر رہے تھے آج بھی ویسی ہی کرنے والے ہیں اور تم جس قسم کی ’’خدمت اسلام‘‘ کل کرنے والے تھے آج بھی ویسی ہی کر رہے ہو دونوں

کے رویے میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مذہبی لڑائی کیا تھی اور اس لڑائی میں کون تھا جس سے ہندو جاتی کو خطرہ لاحق ہوا اور یہ کون تھا جس نے ہندوؤں کی طرف سے چلائی جانے والی تحریک شدھی کا رخ پلٹ دیا۔ اس کے متعلق ان لوگوں کی زبان سے سُنئے جن کو چوٹیں پڑ رہی تھیں۔ ہندوؤں کا مشہور اخبار ’’تیج‘‘ دہلی جو کل تک بڑے بڑے اعلان کر رہا تھا کہ کس طرح ہندو تحریک شدّھی کے ذریعہ پچاس ساٹھ لاکھ کی بجائے ایک کروڑ مسلمانوں کو ہندو بنالیں گے وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوا:

> ’’وید الہامی ہے اور سب سے پہلا آسمانی صحیفہ ہے اور مکمل گیان ہے۔ قادیانی کہتے تھے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور حضرت محمدؐ خاتم النبین ہیں۔ اس کدوکاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی عیسائی یا مسلمان اب مذہب کی خاطر آریہ سماج میں داخل نہیں ہوتا‘‘۔ (اخبار تیج دہلی ۲۵ رجولائی ۱۹۲۷ء)

دیکھئے! اس اخبار کو میدان جہاد میں اسلام کی طرف سے لڑنے والا قادیانیوں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آیا۔ اس وقت کہاں تھے یہ احراری ملّاں جب ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کارزار شدّھی گرم تھا اس وقت اس میدان میں صرف احمدی ہی تھے جنہوں نے اس تحریک کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ یہی اخبار تیج پھر لکھتا ہے:

> ’’میرے خیال میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس، مؤثر اور مسلسل کام کرنے والی جماعت، احمدیہ جماعت ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں اور آج تک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی‘‘۔
>
> (اخبار تیج دہلی ۲۵ رجولائی ۱۹۲۷ء)

اب دیکھیں ہندو تو تھر تھر کانپ رہا تھا اس زمانہ میں بھی جب کہ وہ کروڑہا کروڑ کی اکثریت رکھتا تھا اور جماعت احمدیہ کی تعداد آج کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی لیکن بایں ہمہ نہایت بے شرمی کے ساتھ احراری مولویوں اور پاکستان کی موجودہ حکومت کی طرف سے جماعت کو کبھی ہندوؤں کا ایجنٹ کہہ دیا جاتا ہے، کبھی عیسائیوں کا ایجنٹ کہہ دیتے ہیں اور کبھی یہودیوں کا آلہ کار کہنے لگ جاتے

ہیں۔ کچھ خدا کا خوف بھی کرو۔ آخر جھوٹ بولنے کی بھی تو کوئی حد ہونی چاہئے۔

’’ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں‘‘ ایک کتاب ہے اس کا مصنف لکھتا ہے:

’’آریہ سماج نے شدھی یعنی ناپاک کو پاک کرنے کا طریقہ جاری کیا (مسلمانوں کو ہندو بنانا۔ ناقل) ایسا کرنے سے آریہ سماج کا مسلمانوں کے ایک تبلیغی گروہ یعنی قادیانی فرقے سے تصادم ہو گیا‘‘۔

اس وقت کیا کر رہے تھے یہ اسلام کے علمبردار، وفادار اور جانیں فدا کرنے والے اور جماعت احمدیہ پر دن رات یہ الزام لگانے والے کہ تم جہاد کے خلاف فتوے دے کر اسلام کے غدار ثابت ہو چکے ہو۔ سوال یہ ہے کہ جب دین کی خاطر عملی جہاد کے میدان کھلے ہیں تو ان میدانوں میں دندناتا ہوا پھرنے والا کون تھا، احمدی شیر تھے۔ یا وہ تم لوگ تھے جو احمدیت پر الزام لگاتے ہو۔ دشمن کو میدان کارزار میں تمہارا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ ان کو مقابل پر نظر آئے تو احمدی نظر آئے۔ چنانچہ مصنف لکھتا ہے:

’’آریہ سماج کا مسلمانوں کے ایک تبلیغی گروہ یعنی قادیانی فرقے سے تصادم ہو گیا۔ آریہ سماج کہتی تھی کہ وید الہامی ہے اور سب سے پہلا آسمانی صحیفہ ہے اور مکمل گیان ہے۔ قادیانی کہتے تھے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور حضرت محمد خاتم النبیین ہیں‘‘۔ (صفحہ:۴۳-۴۴)

اس اقتباس کا آخری حصہ میں پہلے پڑھ کر سنا چکا ہوں اسے دوبارہ میں نے اس لئے پڑھا ہے یہ بتانے کے لئے کہ کتنی واضح حقیقت ہے جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آج بھی ان لوگوں کو متنبہ کر رہی ہے کہ تم چاہے جو کچھ کہو مگر اسلام پر جب بھی کوئی مشکل وقت آئے گا اور خطرات کے بادل منڈلانے لگیں گے تو صرف ایک جماعت احمدیہ ہی ہے جو اس سے پہلے بھی مقابلے کے لئے آگے بڑھتی رہی ہے، آئندہ بھی ہمیشہ اسلام کے دفاع میں سب سے بڑھ کر قربانیاں پیش کرے گی۔

تحریک شدّھی کے بارہ میں اخبار’’آریہ پتریکا‘‘ بریلی یکم اپریل ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

’’اس وقت ملکانے راجپوتوں کو اپنے پرانی راجپوتوں کی برادری میں

جانے سے باز رکھنے کے لئے جتنی اسلامی انجمنیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں
اُن میں احمدیہ جماعت قادیان کی سرگرمی اور کوششیں فی الواقعہ قابل داد ہیں‘‘۔

اخبار ’’مشرق‘‘ گورکھپور جو ایک مسلمان اخبار تھا اور غالباً ابھی بھی ہوگا مجھے یاد نہیں۔ اس اخبار نے ۱۵ر مارچ ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

’’جماعت احمدیہ نے خصوصیت کے ساتھ آریہ خیالات پر بہت بڑی ضرب لگائی ہے اور جماعت احمدیہ جس ایثار اور درد سے تبلیغ و اشاعت کی کوششیں کرتی ہے وہ اس زمانہ میں دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی‘‘۔

بہر حال جماعت احمدیہ نے تحریک شدھی کے خلاف زبردست مہم چلائی اور ملکی پریس میں اس کا خوب چرچا ہوا تاہم میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری جماعتیں میدان میں نکلی نہیں ہیں۔ مختلف علماء کی جماعتیں مختلف فرقوں کی جماعتیں میدان میں کودی ضرور ہیں لیکن دشمن کو ان کی چوٹ محسوس نہیں ہوئی اور ان کے باہمی اختلافات بھی ایسے تھے کہ میدان میں جا کر زیادہ تر وہ اپنے ہی جھگڑوں کو چکاتے رہے ہیں۔ چنانچہ زمیندار اخبار اپنی ۲۴ر جون ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’جو حالات فتنہ ارتداد کے متعلق بذریعہ اخبارات علم میں آچکے ہیں ان سے صاف واضح ہے کہ مسلمانانِ جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں‘‘۔

اب جبکہ کارزار شدھی گرم ہے تو احمدی مسلمان ہو گئے ہیں، لڑ جو رہے ہیں اسلام کی خاطر، کھلم کھلا نظر آرہے ہیں، دھوکا دینے کی گنجائش کوئی نہیں رہی۔ یہ وہی اخبار ہے جو مختلف وقتوں میں احمدیوں کو بار بار مسلمانوں سے باہر پھینکتا رہا ہے اس وقت احمدیوں کو مسلمان تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو دنیا اس پر لعنت ڈالتی۔ چنانچہ اخبار مذکور نے لکھا:

’’مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار اور کمر بستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدر

دانی کے قابل ضرور ہے“۔

یہ دیکھئے غیر مسلموں کے عادات و خصائل! کیا عمدہ خصائل ہیں غیر مسلموں کے ایثار، کمر بستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ۔ اگر یہی غیر مسلم خصائل ہیں تو پھر تم بھی ان کو اپناؤ کیونکہ یہ زندگی کے خصائل ہیں ان کے بغیر قومیں زندہ نہیں ہوا کرتیں۔ آخر تم ہوش کے ناخن کیوں نہیں لیتے۔ حقائق کی دنیا میں کیوں نہیں اترتے۔ زندہ رہنے کے کیا گُر اور آداب ہیں، ہم سے سیکھو۔ پس انہی خصائل کے مالک وہ لوگ تھے جو دشمن کو بھی نظر آرہے تھے۔ لیکن کیا تمہارے اپنے مسلمان جنہوں نے احمدیت کی مخالفت میں زندگیاں وقف کی ہوئی تھیں وہ دشمن کو نظر آرہے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اخبار ”زمیندار“ مزید لکھتا ہے:

> ”جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس وحرکت پڑے ہیں اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت کر کے دکھادی“۔

اب بدل دو اس ساری تاریخ کو، یہ تو لکھی گئی۔ واقعات کے قلم نے اسے لکھ دیا۔ تمہارے اپنے ہاتھوں سے نکلے ہوئے تمہارے اپنے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ نے ان حقائق کی تصدیق کر دی ہے۔ اب جتنا چاہو واویلا کرتے چلے جاؤ، ان تاریخی حقائق کو تم کبھی بھی صفحہ عالم سے مٹا نہیں سکتے۔

شیخ غلام حسین صاحب جہلم کے ایک غیر احمدی دوست تھے وہاں مختلف جماعتوں کی طرف سے جو لوگ کام کر رہے تھے یہ بھی ان میں شامل تھے انہوں نے وہیں اخبار زمیندار کو ایک خط لکھا جسے اخبار نے اپنی اشاعت ۲۹ رجون ۱۹۲۳ء میں شائع کیا۔ شیخ غلام حسین صاحب اخبار ”زمیندار“ کے ایڈیٹر کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

> ”قادیانی احمدی اعلیٰ ایثار کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا تقریباً ایک سو مبلغ امیر وفد کی سرکردگی میں مختلف دیہات میں مورچہ زن ہے۔ ان لوگوں نے نمایاں کام کیا ہے۔ یہ جملہ مبلغین بغیر تنخواہ اور سفر خرچ کے کام کر رہے ہیں۔ ہم گو احمدی نہیں لیکن احمدیوں کے اعلیٰ کام کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس اعلیٰ ایثار کا ثبوت جماعت احمدیہ نے دیا ہے اس کا نمونہ سوائے متقدمین کے مشکل سے ملتا ہے“۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فرماتے ہیں۔

؎ صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا

(درثمین: صفحہ ۵۶)

تو مولویوں کو بڑا طیش آتا ہے اور بڑے مشتعل ہو جاتے ہیں کہ یہ کیا بات کہہ دی لیکن جب عملاً اسلام کے دفاع کا مرحلہ درپیش ہوا اور اسلام کی حمایت کا وقت آتا ہے تو وہی باتیں اور وہی فقرے کہنے پر تم مجبور کر دیئے جاتے ہو۔ خدا کے فرشتے تمہارے قلم سے وہی فقرے نکلواتے ہیں کہ ہاں احمدی وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر متقدمین یاد آتے ہیں۔ یعنی احمدیوں کے بے لوث خدمت اور جذبہ قربانی کو دیکھ کر وہ بزرگ اسلاف جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ کو پایا وہی متقدمین کہلاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ غلام حسین صاحب لکھتے ہیں:

”جس اعلیٰ ایثار کا ثبوت جماعت احمدیہ نے دیا ہے اس کا نمونہ سوائے متقدمین کے مشکل سے ملتا ہے۔ ان کا ہر ایک مبلغ غریب ہو یا امیر بغیر مصارف سفر و طعام حاصل کئے میدان عمل میں گامزن ہے۔ شدید گرمی اور لوؤں میں وہ اپنے امیر کی اطاعت میں کام کر رہے ہیں“۔

(بیان شیخ غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول جہلم)

ایسے اور بھی بہت سے اقتباسات اور حوالے ہیں جو متفرق مسلمان اخبارات کی طرف سے مسلمان مشاہیر کی طرف سے اس بات کے کھلم کھلا اعتراف پر مشتمل ہیں کہ جماعت احمدیہ نے تحریک شدھی میں اسلام کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔

لیکن جب جماعت احمدیہ کے شدید دباؤ کے نتیجہ میں وہ متکبر آریہ سماجی لیڈر جو کبھی مسلمانوں سے اس معاملہ میں بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور اسلام پر یک طرفہ حملے کئے جا رہے تھے۔ جب وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے تو انہوں نے سمجھا کہ اب صلح کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کے لئے جو کانفرنس بلائی اس میں فریقین کے چوٹی کے رہنما اکٹھے ہوئے تو اس وقت ایک عجیب لطیفہ یہ ہوا کہ اس مجلس میں سوائے جماعت احمدیہ کے سب فرقوں کو دعوت دی گئی۔ اگر اس میں نہیں تھا تو جماعت احمدیہ کا ہی نام نہیں تھا۔ چنانچہ ہندو اور مسلمان رہنما جب صلح کی شرائط

طے کرنے کے لئے ایک ہال میں اکٹھے ہوئے تو ہندوؤں نے جب احمدیوں کا کوئی نمائندہ نہ دیکھا تو انہوں نے مسلمان رہنماؤں سے کہا تم یہ کیا باتیں کر رہے ہو۔ لڑنے والے تو ہال سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں تم سے صلح کر کے ہم کیا کریں گے۔ تم تو وہ لوگ ہو جو ہمیں ملکانے کے میدانوں میں نظر نہیں آیا کرتے تھے۔ جن لوگوں سے ہمیں خوف ہے اور جن سے ہمیں مار پڑنے کا خطرہ ہے وہ تو آزاد بیٹھے رہیں گے اور پھر بھی ہم پر حملے کرتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ فوری طور پر کانفرنس ملتوی کی گئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) کی خدمت میں قادیان تار کے ذریعہ معذرت کی گئی اور درخواست کی گئی کہ فوری طور پر اپنا نمائندہ بھجوائیں اس کے بغیر یہ کانفرنس کامیاب نہیں ہوسکتی۔

یہ ہے تاریخ اسلام جو ہمیشہ کے لئے بن چکی ہے۔ یہ تو اب نہیں مٹے گی اور نہ مٹائی جائے گی۔ کوئی آمر وقت یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ان لکھی ہوئی تحریروں اور خدا کی تقدیروں کو بدل دے۔ یہ خدا کی قدرت کی ایسی تقدیریں ہیں جو ظاہر ہو چکی ہیں۔ ایک فوج کیا ساری دنیا کی فوجی طاقتیں اکٹھی ہو جائیں تب بھی ان لکھی ہوئی تحریروں کو مٹا نہیں سکتیں کیونکہ یہ صفحہ ہستی پر ہمیشہ کے لئے نقش ہو چکی ہیں۔

یہ ہے کردار جماعت احمدیہ کا، کل بھی ایسا تھا، آج بھی ایسا ہی ہے اور آنے والے کل بھی ایسا ہی رہے گا۔ اے مخالفو! تم نے ہمارے ساتھ جتنی دشمنیاں کرنی ہیں کرلو، جتنے ناشکرے پن کے ثبوت دینے ہیں دیتے چلے جاؤ مگر میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کل جو تم پر مصیبت ٹوٹے گی اس میں بھی جماعت احمدیہ صف اوّل میں کھڑی ہوگی اور تمہارے خلاف چلنے والے تیر اپنے سینوں پر لے گی۔ ہم سے بڑھ کر اسلام کا اور کوئی وفادار نہیں، ہم سے بڑھ کر مسلمان قومیت کا اور کوئی ہمدرد نہیں، ہم سے بڑھ کر دین محمد مصطفی ﷺ کا اور کوئی شیدائی اور فدائی نہیں ہے۔ ماضی بھی تمہیں یہی بتا تا رہا مگر تم ہر دفعہ اس سبق کو بھول جاتے رہے اور کل آنے والا وقت بھی تمہیں یہی بتائے گا۔ اے کاش! تمہاری آنکھیں کھلیں اور تم دیکھو کہ کون تمہارا دوست ہے اور کون تمہارا دشمن ہے۔ لیکن یہ واقعات تو بڑے طویل ہیں۔ میرا خیال تھا کہ پاکستان کے قیام سے پہلے کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے قابل ہو جاؤں گا لیکن ابھی تو یہ داستان آدھی بھی ختم نہیں ہو پائی۔ میرا خیال ہے کہ انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں کوشش کروں گا کہ اس مضمون کے بقیہ حصہ کو

نمٹا دوں اور پھر اس سے آئندہ خطبہ میں انشاء اللہ پاکستان بننے کے بعد کے واقعات کو لوں گا اور بتاؤں گا کہ خدمت اسلام یا خدمت وطن کے جو مواقع پیش آتے رہے ہیں پاکستان میں یا پاکستان کے باہر ان میں جماعت احمدیہ کا کردار کیا رہا ہے اور احمدیت پر الزام لگانے والوں کا کردار کیا تھا۔ واقعات کی روشنی میں یہ دلچسپ موازنہ انشاء اللہ آئندہ خطبات میں پیش کروں گا۔